

بگم اختر ریاض الدین..... نسائی سفر نامہ نگار

Begum Akhtar Riaz Ud Din....A Feminist
Travelogue Writer

ڈاکٹر سبینہ اویس اعوان، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج وومن یونیورسٹی،
سیالکوٹ

Dr. Sabina Awais, Assistant Professor, Dept. of Urdu, Govt
College for women university, Saikot

ڈاکٹر محمد افضل بٹ، صدر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج وومن یونیورسٹی، سیالکوٹ

Dr. Muhammad Afzal But, chairperson, Dept. of Urdu, Govt
College for women university, Saikot

ڈاکٹر سائرہ باتول، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

Dr. Saira Batool, Assistant Professor, Dept. of Urdu, Islamic
international university, Islamabad

Abstract

“Safar Nama” is a literary term which is basically a complete description of various events in writings, take place during any traveling. It is such type of “Nasr” in which a writer or artist tells his observations and experiences in a detailed way. Safar Nama is not an old genre in Urdu literature. It started with the writings of Yusuf Khan Kambal Posh known as “AJAIBAAT FARANG”. In nineteenth century, it remained a low rated and least considered genre of Urdu literature. In twentieth century, it found momentum and caught contribution not from males but also from females. Begum Akhtar Riaz udin is also one of such blue stockings who richly contributed in this genre. Two Safar Nama like “Samadar Paar” and “Dhanak Per Qadam” were also written by Begum Akhtar. Her writings are complete in agreement with latest developments in “Safar Namas”. These pieces of writings reflect deep observations, humor, decent approach and feministic way of expressions. She traveled across to Tokyo, Masco, Cairo, London, New York, Jazair, Hawai, Mexico and Hong Kong and put a mature eye on these places. She described different cultural and social aspects of these places and brought them to light. Feminism can easily be traced down in her writings. She observed women of every country with a close eye and produced her opinion about their life style in a very keen way. This article

will encompass her writings and observations of her world tours.

Keywords: Literary Terms, complete description, traveling, observation, experiences, agreement, mature eye, fasminism,

کلیدی الفاظ: تخلیقی ذہن، مشاہدات و تجربات، معاشرتی مسائل، معلوماتی تحریر، روداد، قوت متخیلہ، حوصلہ افزائی

سفر نامہ، سفر کے تجربات، مشاہدات پر مبنی، دورانِ سفر پیش آنے والے مختلف مثبت اور منفی واقعات و حالات کو تحریری طور پر پیش کرنے کا نام ہے۔ سفر نامہ نگار اپنے تخلیقی تجربے میں اپنے احساسات، جذبات اور مشاہدات کے ذریعے دوسروں کو بھی شریک کرتا ہے اس طرح سفر نامہ معلوماتی تحریر سے ادبی صنف کے دائرے میں داخل ہوتا ہے۔ اردو ادب میں سفر ناموں کی تاریخ زیادہ قدیم نہیں۔ سفر نامے کا آغاز ۱۸۷۴ء میں یوسف خان کمل پوش کے سفر نامے ”عجائباتِ فرنگ“ سے ہوتا ہے۔ انیسویں صدی میں اس صنف پر بہت کم توجہ دی گئی۔ بیسویں صدی میں اگرچہ اس صنفِ ادب نے ترقی حاصل کی۔ مردوں نے سفر نامے لکھے مگر انیسویں صدی میں کسی بھی خاتون کا سفر نامہ نظر نہیں آتا۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں ۱۹۰۸ء میں نازی رفیعہ سلطان نے ”سیرِ یورپ“ کے نام سے سفر نامہ تحریر کیا۔ انھوں نے اس سفر نامے میں یورپ کی تصویر کشی عمدہ پیرائے میں کی۔ اس کے علاوہ سر بلند جنگ بہادر بیگم نے بعنوان ”دنیا کی نظر میں“ مکہ اور مدینہ کے سفر کی روداد قلم بند کی۔ بنابریں ہمہ عزت بیگم نے ”سفر نامہ عراق“، سیاہ بانو نے ”سیاحتِ سلطانی“، صغریٰ بیگم حیانے ”سفر نامہ یورپ“، سلطانہ آصف فیضی نے ”عروسِ نیل“، بیگم تاج یلین علی خان نے ”آسٹریلیا کی جھلک“، شیریں حیدر نے ”رنگِ مغرب ہے جداگانہ“، قرۃ العین حیدر نے ”ستمبر کا چاند“، بیگم اختر ریاض الدین نے ”سات سمندر پار“ اور ”دھنک پر قدم“ تحریر کیے۔ جدید اردو سفر نامہ نگاری میں ایک معتبر نام کی حامل تخلیق کار ہیں۔ بیگم اختر ریاض الدین علم و ادب کی دنیا میں سفر نامہ نگاری کے ذریعے داخل ہوئیں۔ ان کے میاں ریاض الدین کو سرکاری فرائض کی انجام دہی کے لیے اکثر بیرونی ممالک بھیجا جاتا چنانچہ اختر ریاض الدین بھی ان کے ساتھ شریک سفر ہوتیں۔ انھیں اسفار میں حاصل شدہ مشاہدات و تجربات کو انھوں نے سفر ناموں کی صورت دے دی۔ مولانا صلاح الدین احمد نے بیگم اختر ریاض الدین کی حوصلہ افزائی کی اور انھیں اردو سفر نامہ لکھنے کی جانب آمادہ کیا۔ مولانا صلاح الدین احمد میاں ریاض الدین کے چچا اور ”ادبی دنیا“ کے مدیر تھے انھوں نے اردو میں خواتین سفر نامہ نگاروں کی کمی کو دیکھتے ہوئے

انھیں سفر نامہ لکھنے پر آمادہ کیا۔ انھیں کے اصرار پر ان کی حوصلہ افزائی ہوئی اور بیگم اختر ریاض الدین اردو سفر نامہ لکھنے پر آمادہ ہوئیں۔ ورنہ ان کا اصل میدان تو انگریزی زبان و ادب تھا وہ فیض احمد فیض کی زیر ادارت ”پاکستان ٹائمز“ کے لیے کالم بھی لکھتی رہیں۔

بیگم اختر ریاض الدین کا اولین سفر نامہ ”سات سمندر پار“ ہے جو ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔ دنیا کے چھ بڑے شہروں ٹوکیو، ماسکو، لینن گراڈ، کراچی سے نیپلز، قاہرہ، لندن اور نیویارک کے اسفار پر مشتمل ہے۔ یہ سفر نامے ”ادبی دنیا“ اور دیگر رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ اس کتاب کی پذیرائی سے بیگم اختر ریاض الدین کے قلم کو تقویت ملی اور وہ سفر نامے کی جانب سنجیدگی سے متوجہ ہوئیں جس کا عملی مظاہرہ ”دھنک پر قدم“ کی صورت میں منظر عام پر آیا۔ اس کتاب میں چھ سفر شامل ہیں جن میں ہوائی، لندن، میکسیکو، سان فرانسسکو، نیویارک اور ہانگ کانگ شامل ہیں۔ پہلے تین سفر نامے قدرے طویل جب کہ آخری تین مقابلتاً مختصر ہیں۔

اردو سفر نامے میں جس جدید رجحان کی عکاسی بیگم اختر ریاض الدین کے سفر ناموں میں موجود ہے، مصنفہ کے مشاہدات، تاریخی دلچسپیوں، مزاح، شگفتہ اسلوب، نسائی لب و لہجہ نے سفر نامے میں مزید نکھار پیدا کر دیا ہے۔ بیگم اختر ریاض الدین کے سفر ناموں سے پہلے اردو میں خواتین کے سفر ناموں کی قلت تھی۔ چنانچہ اس جمود کے عہد میں بیگم اختر ریاض الدین کا اولین سفر نامہ ”سات سمندر پار“ تازہ ہوا کا جھونکا ثابت ہوا جس میں روایتی سفر نامے سے انحراف کرتے ہوئے اسے جدید خطوط پر استوار کیا گیا ہے۔ اردو سفر نامے پر مشتمل بیگم اختر ریاض الدین کی دوسری کتاب ”دھنک پر قدم“ بھی شائع ہوئی جسے ”آدم جی ادبی ایوارڈ“ سے نوازا گیا۔ ان سفر ناموں میں سفر کی روداد کے ساتھ ساتھ تہذیب و معاشرت کی عکاسی بھی کی گئی ہے۔ مصنف کے سفر ناموں کی انفرادیت یہ ہے کہ ایک سفر نامے میں کئی کئی ملکوں کی رودادیں ہیں۔ یہ رودادیں مختلف رسائل و جرائد کی زینت بنتی رہیں۔ انھیں رپورٹاژ کا نام بھی دیا گیا۔ ڈاکٹر ظہور احمد اعوان نے ”داستان تاریخ رپورٹاژ نگاری“ میں سفر نامہ ”ہانگ کانگ“ کو رپورٹاژ بھی کہا گیا چونکہ ان سفر ناموں میں رپورٹاژ سے زیادہ سفر ناموں کی خصوصیات پائی جاتی ہیں، اس لیے انھیں سفر نامہ کہنا زیادہ موزوں ہے۔ سفر ناموں کی قدر و اہمیت متعین کرنے میں غایت سفر کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔ بیگم اختر ریاض الدین میں ایک فطری سیاح کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔

بیگم اختر ریاض الدین کو سیاحت سے والہانہ عشق تھا جس کا اظہار انھوں نے ان

الفاظ میں کیا ہے:

”خانہ بدوشی میرے خون میں سرایت کر چکی ہے۔ مجھے بھی سیاحت کا

اتنا جنون ہے جتنا مار کو پولو یا سندباد کو تھا“۔ (۱)

اگرچہ انھوں نے بیش تر اسفار اپنے خاوند کے ہمراہ کیے۔ سرکاری فرائض کی انجام دہی کے لیے انھیں جس ملک میں بھیجا جاتا بیگم اختر ریاض الدین کو بھی سفر کا موقع ملتا رہا۔ ان اسفار کے دوران بہترین تخلیقات منظر عام پر آئیں۔ ان اسفار کا مقصد تفریحی تھا۔ باریک بین مشاہدے کی بدولت ان کی رائے ماہرانہ ہوتی۔ وہ عام مظاہر پر بھی گہری نگاہ ڈالتیں اور حیرت انگیز نتائج کا استخراج کرتی دکھائی دیتی ہیں۔

بیگم اختر ریاض الدین کے سفر نامے اردو ادب کی تاریخ میں ایک دل کش اضافہ ہیں۔ انھوں نے اپنے احساسات، تجربات، مشاہدات اور مناظر میں گم ہو کر سفر نامے قلم بند کیے۔ انھوں نے ٹوکیو، ماسکو، لینن گراڈ، نیپلز، قاہرہ، لندن، نیویارک، جزائر، ہوائی، میکسیکو اور ہانگ کانگ سبھی ممالک کی سیر کی۔ انھوں نے کسی بھی مقام کو سطحی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ انھوں نے وہاں کے کلبوں اور ہوٹلوں کا بھی بے باکی سے ذکر کیا ہے۔ مصنفہ نے جو کچھ محسوس کیا اسے نڈر انداز میں بیان کر دیا۔ کہیں بھی کچھ چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ انھوں نے دنیا کو ایک پختہ کار سیاح کی نظر سے دیکھا۔ ان ممالک کے ازدواجی اور دیگر معاشرتی مسائل کو بھی بیان کیا ہے۔ ان کے سفر ناموں میں جنس نگاری کے نمونے بھی موجود ہیں۔ لکھتی ہیں:

”گھر میں اسی کا راج ہوتا ہے۔ خاوند کی کم چلتی ہے مردوں کو اس

عورت کے خلاف شکایات ہیں کہ وہ بہک گئی ہے۔ امریکا کی روایتی

خانگی پاک دامنی پر بٹہ ہے۔ خاندانی امن..... پر سایہ ہے۔ تیرہ چودہ

سال کی عمر سے یہ جنسی آزادی چکھ لیتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ“ (۲)

انگریزی ادب کی تدریس اور صحافت کے عملی تجربے نے ان کے فکری آفاق کو

بہت وسعت دی:

”انگریز ہمارے لیے دو بہترین روایتیں چھوڑ گئے ہیں ایک ڈپٹی کمشنر اور

دوسری لپٹن کی چائے“۔ (۳)

مصنفہ علم و ادب سے شغف رکھنے والی خاتون ہیں اور تعلیمی ادارے میں مدرس بھی

رہیں اس لیے وہ جہاں مختلف ملکوں کے سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور کتب خانوں میں دل

چسپی لیتیں وہیں تاریخی مقامات، عجائب گھر، سینما ہالز، خریداری کے مراکز، ہوٹل، پارک،

انواع و اقسام کے کھانوں، فنونِ لطیفہ بھی اُن کی دل چسپی کے خاص شعبے ہیں۔ ان شعبوں میں بھی مصنفہ مخصوص نسائی زاویے سے جائزہ لیتی ہیں۔ کسی بھی موضوع پر بات کرتے ہوئے نسائی دل چسپیوں کا گہرا اظہار کرتی ہیں۔ اگرچہ تشبیہات و استعارات، محاورات، ضرب الامثال کے انتخاب میں نسائی پسندیدگی دکھائی دیتی ہے۔ علاوہ ازیں کھانے، زیورات، کپڑوں کے معاملات کا بھی انتہائی مہارت سے جائزہ لیتی ہیں۔ مثلاً سفرنامہ ہوائی میں کھانوں کے متعلق لکھتی ہیں:

”سب سے پہلے ہمارے سامنے ہوائی کی مشہور ڈش لومی لومی آئی یہ ٹماٹر کا کچو مرتھا جس میں سامن مچھلی کا بھرتہ ملا ہوا تھا..... پھر اگلی ڈش اس سے بھی زیادہ پُر اسرار تھی، ساگ میں لیٹا ہوا ہرا ہرا لڈو ہمارے سامنے آیا۔ بتایا گیا کہ یہ ساگ نہیں ہے بلکہ ”ٹی پات“ (Ti-Leaves) ہیں جس میں مرغی دم دی گئی ہے۔“ (۴)

اسی طرح سفرنامہ ”لینن گراڈ“ میں زیورات کے معاملے میں نسائی انداز ملاحظہ

ہو:

”سائبیریا کے ذخیرہ میں مجھے سونے کے زیورات بہت پسند آئے۔ نہایت حسین سونے کے کنگن، سونے کی بنسلیاں اور بُندے۔ ایک بُندے پر اتنا نفیس اور باریک کام تھا کہ نظر کام نہیں کرتی تھی۔ نہایت ننھے ننھے گھوڑوں کے گچھے (اتنے چھوٹے کہ صرف خوردبین سے ہی نظر آسکیں) لٹک رہے تھے۔“ (۵)

اسی طرح سفرنامہ میکسیکو میں سلائی کڑھائی، خانہ داری میں استعمال ہونے والے ظروف کی جزئیات دکھائی دیتی ہیں۔ ٹوکیو کے سفرنامے میں جاپان کی تہذیب و ثقافت کا بیان دل کش انداز میں کیا گیا ہے وہیں دوسری جانب جاپان کے سیاسی، سماجی، معاشرتی اور تاریخی حالات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ حساس سفرنامہ نگار جاپان پہنچ کر پہلی جنگِ عظیم اور دوسری جنگِ عظیم کو نظر انداز نہیں کر سکیں۔ ہیروشیما اور ناگاساکی کے سانحے کے بعد اس ملک کی داستان بہت حیران کن ہے لکھتی ہیں:

”جاپان کو پہلی جنگِ عظیم کے بعد مشرق کا جنٹلمین یعنی سب سے مہذب ملک قرار دیا گیا اور دوسری جنگِ عظیم کے بعد دنیا کا ظالم ترین قصاب ٹھہرایا گیا ان دونوں مبالغوں کے درمیان کچھ گنجائش ہے اور

اگر غور سے تاریخ کے اوراق دہرائے جائیں تو شاید دونوں بیانات سچ ہوں۔“ (۶)

بیگم اختر ریاض الدین کو ٹوکیو کی خوب صورتی اور وہاں کی معاشرتی زندگی کے احوال کو اپنے مخصوص اسلوب میں بیان کرتی ہیں۔ مشرقی تہذیب کی پروردہ ہونے کی وجہ سے وہ مغرب کی ہر چیز کو مشرقی تہذیب کے تناظر میں دیکھی ہیں۔ انھیں یورپ کی شبانہ زندگی کی عریانیاں دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ ان کو بعض ممالک میں عورت کی تجارت اور فحش استعمال کھلتا ہے۔ لکھتی ہیں:

”جاپانی مرد کا چہرہ جاپانی عورت کے مقابلے میں سُتا ہوا ہے۔ مثلاً اگر عورت کا چہرہ ۵ سیر کا گلابی گوشت ہے تو مردانہ مکھڑا پونے چار سیر کا۔“ (۷)

مصنفہ نے آزاد خیال ہونے کے باوجود مشرقی وضع داری کو سینے سے لگایا ہے۔ وہ جاپان کے کھانے پینے، عادات و اطوار، جاپانیوں کی مہمان نوازی اور دیگر تکلفات کو دیکھ کر متاثر ہوئی ہیں۔ مصنفہ نے جاپان کی تہذیب و ثقافت کا بیان دل چسپ انداز میں کیا ہے وہیں جاپان کے سیاسی، معاشرتی، تاریخی حالات کا جائزہ بھی لیا ہے۔ حساس ادیب ہونے کی وجہ سے جاپان جا کر پہلی اور دوسری جنگِ عظیم اور ہیر و شیما اور ناگاساکی کے سانحات کو نظر انداز نہیں کر سکیں:

”جاپان کو پہلی جنگِ عظیم کے بعد مشرق کا جنٹلمین یعنی سب سے مہذب ملک قرار دیا گیا اور دوسری جنگِ عظیم کے بعد دنیا کا ظالم ترین قصاب ٹھہرایا گیا۔ ان دونوں مبالغوں کے درمیان کچھ گنجائش ہے اور اگر غور سے تاریخ کے اوراق دہرائے جائیں تو شاید دونوں بیانات سچ ہوں۔“ (۸)

سفر نامے میں روس کی تہذیب و معاشرت، لینن گراڈ کا مجسمہ، میوزیم کا بیان بھی ملتا ہے۔ انھوں نے لینن گراڈ کی خوب صورتی کو شگفتہ انداز میں بیان کیا ہے۔ مصنفہ نے روسی انقلاب، مزدوروں کی کیفیات، اس دور کے دانش ور، لینن، سٹالن، خروشیف کے کارناموں کا نقشہ دل چسپ انداز میں پیش کیا ہے۔ علاوہ ازیں روس کے تعلیمی معیار سے بہت متاثر ہوئیں۔ روس میں ۲۱۲ پبلیک ہاؤس اور ایک سو تیس زبانوں میں کتابیں شائع ہونے پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔ روس کے کتب خانوں میں ہر نامور ادیب کی کتابیں موجود ہیں علاوہ ازیں فیض کے روسی

ترجموں نے بھی بہت شہرت حاصل کی۔

بیگم اختر ریاض الدین کے سفر ناموں میں ہندوستان کے شہرت یافتہ ادیب و رہنما رابندر ناتھ ٹیگور، منشی پریم چند، سروجنی نائیڈو، گاندھی جی، کنہیا لعل کپور، مولانا ابوالکلام آزاد، پنڈت جواہر لعل نہرو، ملک راج آنند کی تصانیف کے حوالے موجود ہیں۔ علاوہ ازیں مصنفہ کے سفر ناموں میں وکٹر ہیوگو، والٹر سکاٹ، روسو، چارلس، جارج برنارڈشا، آرنلڈ، وسکر، برین جون دیں کی تصانیف کا بھی ذکر موجود ہے جس کی وجہ سے یہ سفر نامے ادبی و معلوماتی بھی ہیں۔

بیگم اختر ریاض الدین کے سفر ناموں میں نسائیت کا گہرا رنگ پایا جاتا ہے۔ وہ ایشیا کو خاص نسائی انداز سے دیکھتی ہیں۔ مصنفہ جن جزئیات کے ساتھ طعام گاہوں، گھروں اور بازاروں کا بیان کرتی ہیں اس کی مثال بعد میں آنے والی خواتین سفر نامہ نگاروں کی تخلیقات میں نظر نہیں آتی۔ اگرچہ محاورات، تشبیہات اور تمثیلات کے انتخاب میں بھی نسائی پسندیدگی دکھائی دیتی ہے۔ زیر نظر سفر نامے ایک سگھر خاتون کی نظر سے پیش کیے گئے اچھے سفر نامے ہیں جن کو نسائی انداز نے چارچاند لگا دیے ہیں۔ سید احتشام ضمیر ان کے اسی نسائی اندازِ نظر کے متعلق رقم طراز ہیں:

”ایک جگہ آپ نے لکھا ہے: ”عورت ایک عورت پہلے ہوتی ہے اور وطن پرست بعد میں“۔ کتاب (دھنک پر قدم) کے صفحات میں بھی اس سچائی کی بھرپور گواہی نظر آتی ہے۔ آپ جس شہر میں بھی گئی ہیں وہاں کے بازاروں اور مارکیٹوں کی چہل پہل کا حال آپ نے ضرور لکھا ہے۔ چیزوں کی کوالٹی اور مقدار اور ان کے نرخوں کا جائزہ بھی لیا ہے اور باورچی خانوں کا حال تو خیر کچھ اس چٹارے سے بیان کیا ہے کہ کھانوں کے نام کرم نہ میں پانی بھر آتا ہے“۔ (۹)

ان کے سفر ناموں میں تائیدی نقطہ نظر کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ عملی زندگی میں انھوں نے عمر کا بیش تر حصہ خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے صرف کیا ہے۔ اپنے ہر سفر نامے میں انھوں نے ہر ملک کی عورت کی سماجی حیثیت کا بھی باریک بینی سے جائزہ لیا اور اس پر تبصرہ کیا ہے۔

بیگم اختر ریاض الدین خواتین کی معاشرتی حیثیت جاننے میں بھی گہری دل چسپی لیتی ہیں۔ امریکی عورت کے متعلق لکھتی ہیں کہ نسلی اختلاط کی وجہ سے یہاں کی عورت بہت

خوب صورت اور صحت مند ہے۔ بذلہ سنج ہے اور گھروں میں عورتیں با اختیار ہیں۔ مرد حضرات خواتین کی آزادی کو پسند نہیں کرتے اور شکوے شکایات بھی کرتے ہیں۔ البتہ امریکا کی عمر رسیدہ اور بیوہ خواتین کے متعلق دل چسپ مشاہدات کا اظہار کیا ہے کہ یہ عمر رسیدہ عورتیں جب ساٹھ برس کی ہوتی ہیں تو دنیا کی سیر پر رخصت ہو جاتی ہیں جب کہ ہماری مشرقی بزرگ ضعیف العمر خواتین موت کا انتظار کرتی ہیں۔ لکھتی ہیں:

”امریکی مرد جب کما کما کر تھک جاتا ہے تو چل بستا ہے اور یہ تقری زلفوں والی ساٹھ ستر سالہ امیرزادیاں دنیا کی سیر کو نکل کھڑی ہوتی ہیں۔ ہمارے ملک میں بڑی بی کو ڈھائی گز کورا اٹھا اور دو گز زمین سوئی جاتی ہے۔ امریکا کی معمر خاتون کی نئی زندگی ساٹھ کے بعد سے شرع ہوتی ہے۔ بہر حال مجھے امریکی عورت سے متعصبانہ حد تک محبت ہے کیونکہ یہ عورت سیماب کی طرح بے چین، زندگی سے بھرپور، علم اور خلوص سے سرشار، اپنے دل میں ساری دنیا بل کہ سارے آفاق سے عشق رکھتی ہے۔“ (۱۰)

بیگم اختر ریاض الدین نے بے ساختگی اور بے تکلفی سے جاپان کی تہذیب و ثقافت کو بیان کیا ہے۔ سفر نامے کا بیانیہ بہت دل چسپ ہے۔ ایک مشرقی عورت ہونے کے باوجود جاپان کے گیشا خانوں کا بیان بے باکی سے کیا ہے۔ جاپان میں مرد عورتوں پر بہت حاوی ہیں۔ مصنفہ نے جاپان کے کلچر پر بے حد افسوس کیا ہے جس ملک میں مرد کے لیے سب عیش و آرام موجود ہیں عورت کے جذبات و احساسات کا کوئی پرسان حال نہیں۔ مصنفہ نے عورت کی حالت زار اور مرد کی عیش پسندی پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ انھوں نے اپنے رد عمل کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

”جاپانی مرد اپنی بیوی سے صرف غربت اور بے رونقی منسوب کرتا ہے اور تفریح کے لیے وہ کپڑے بدل کر سیدھا گیشا گھر پہنچتا ہے اور وہیں دن بھر کی تھکن اتارتا ہے اور بیوی کا ظرف دیکھے کہ وہ خاوند کو گیشا گھر جانے کے لیے کپڑے پہناتی ہے اور اگلے روز گیشا گھر کا بل ادا کرتی ہے۔“ (۱۱)

بیگم اختر ریاض الدین کا سفر نامہ منفرد نوعیت کا ہے۔ مرد اگرچہ ہر امر کا مشاہدہ مختلف زاویے سے کرتے ہیں جب کہ بیگم اختر ریاض الدین کا نقطہ نظر مختلف ہے۔ وہ دروں بینی سے کام لیتی

ہیں۔ اگرچہ حساس ہونے کی وجہ سے معاشرے کے دکھ درد کو زیادہ گہرائی سے محسوس کرتی ہیں۔

بیگم اختر ریاض الدین کی نسائیت کا ذکر آئے تو اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ انھوں نے تھیٹروں، عجائب گھروں، نوادرات کو بھی اہمیت دی ہے اور خاتون ہونے کی وجہ سے انھوں نے ہوٹل، طعام کدوں اور باورچی خانوں، مخصوص کھانوں تک رسائی کی ہے۔ ”ہر ملک اپنے مخصوص کھانوں کے لیے مشہور ہے۔ ٹیپورال یعنی تلی ہوئی مچھلی یا سبزی یہاں کی خاص الخاص شے ہے۔ یہ گہرے گہرے بنا سیتی گھی کے کڑھاؤ میں دھیمی دھیمی آج پر بیسن کی طرح ایک آمیزے میں تلی جاتی ہے۔“ (۱۲)

بیگم اختر ریاض الدین ایک عورت ہونے کی وجہ سے اُمورِ خانہ داری کی جزئیات کو بھی دل چسپ انداز میں بیان کرتی ہیں۔ یہاں کے کھانے، پکوان کے طور طریقوں پر بھی گفت گو کرتی ہیں اور اپنے ملک سے موازنہ بھی کرتی ہیں۔ بنابریں ہمہ روس کی رقص و موسیقی کا تذکرہ بھی دل چسپ انداز میں کرتی ہیں۔ اس ضمن میں ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

”سوان لیک (Sawan Lake) پیلے تورقص کی معراج موسیقی کی

آخری پہنچ اور حُسن کا اولین وجد ہے۔ (ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار

دیکھ) اسے کتنے جنّات نے مرتب کیا۔ کتنی پریوں نے ناچا، ”چائے

کو سکی“ کا جنون پائے رقصاں کا فسوں معلوم ہوتا تھا کہ جسم اور تمام

اعضا موسیقی میں تحلیل ہو کر رہ گئے تھے۔ موسیقی صرف زمین پر محیط

نہیں تھی بل کہ آسمانی خلا میں اس سے معمور تھیں۔“ (۱۳)

بیگم اختر ریاض الدین نے زندگی کا ایک بڑا حصہ خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کیا۔ اس لیے نسائی ادراک ان کے سفرناموں میں نظر آتا ہے جو عموماً مرد سفرنامہ نگاروں کے مشاہدات کا حصہ نہیں ہوتا۔ مصنفہ ہر ملک کی عورتوں کی معاشرتی حیثیت، گھر ہستی، عورت کے مقام و مرتبے اور اس کے شب و روز کے معمولات کا جائزہ لیتی ہیں۔ کہیں بھی سفرنامے پر مقصدیت کی چھاپ دکھائی نہیں دیتی۔ ڈاکٹر تحسین فراقی مصنفہ کی انسان دوستی اور نسائی رویے کے متعلق لکھتے ہیں:

”وہ ایک ایسے مسافر کے روپ میں ابھری ہیں جو خاص پڑھی لکھی

ہونے کے ساتھ ساتھ نیم رومانی طرز فکر کی حامل ہیں..... انھیں

عورت ہونے کے ناتے اور بنی نوع انسان کی ایک قابلِ قدر رکن ہونے کی حیثیت سے عورت کا تجارتی اور فحش استعمال بہت کھٹکتا ہے۔“ (۱۴)

بیگم اختر ریاض الدین کے سفر ناموں میں خالی مزاج، رنگینی اور روانی ہی نہیں اس میں ایسی تخلیقی اور جبلی قوتِ احساس، فکری ادراک کا بہترین سنگم ملتا ہے۔ ان سفر ناموں میں جدت اور شوخی کا امتزاج ہے جس میں رنگینی اور لطافت کے پس منظر میں مغربی فکر اور مشرقی دل دھڑکتا ہے۔ مصنفہ کا تصورِ مذہب مجتہدانہ ہے۔ وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے وہ جس ملک میں بھی ہوں پاکستان ان کے حافظے سے کبھی محو نہیں ہوتا۔ آزاد (لبرل) ماحول میں پرورش پانے اور روشن خیالوں کے باوجود ان کے باطن میں ایک مشرقی خاتون ملتی ہے جسے زندگی کی بیش تر آسائشیں میسر ہیں لیکن پھر بھی کفایت شعاری سے کام لیتی ہے۔ زندگی کی بیش تر سہولتیں آسائشیں میسر ہونے کے باوجود اصراف کو ناپسندیدہ سمجھتی ہیں۔

تحریر مصنف کی شخصیت کی عکاس ہوتی ہے۔ لہذا بیگم اختر ریاض الدین کی طبیعت میں موجودہ شوخی، بے باکی، برجستگی، شگفتہ اسلوب سفر ناموں کی خوب صورتی میں اضافے کا موجب بنتا ہے۔ یہ منفرد اور انفرادی اسلوب کی حامل ہیں۔ انھوں نے ایک آزادانہ ماحول میں پرورش پائی۔ اپنے سی ایس پی خاوند کے ساتھ پُر تعیش زندگی، تدریسی سرگرمیاں، عملی زندگی کا عکس سفر ناموں میں جاہِ جا دکھائی دیتا ہے۔ وہ سیاحت کے لطیف تجربات کو امورِ خانہ داری سے کثیف نہیں بنانا چاہتیں۔ سفر نامہ لندن میں اس کا اقرار کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

”صبح ڈیڑھ سیرِ قیمہ مرچ ایک جھٹانی پکاتی تھی اور رات کو مرغ شوربا دیورانی۔ مجھ سے یہ اصرار تھا کہ میں بھی اگر پیاز نہ کاٹ سکوں تو کم سے کم یہ دیگ ضرور چکھوں۔ میں نے کہا، ہزار لعنت سیاحت پر اور لندن پر، اگر میں چولھے کے پاس جاؤں۔“ (۱۵)

ایک مقام پر انھوں نے بلا تکلف تسلیم کیا ہے کہ وہ گھریلو مومنہ عورت نہیں۔ لکھتی ہیں:

”شام کو مجھے اور ریاض صاحب کو نائٹ لائف دکھانے لے جاتے۔ میں کوئی مومنہ نہیں لیکن شبانہ زندگی کی نسوانی عریانیاں دیکھ کر مجھے قلق ہوتا ہے۔“ (۱۶)

بیسویں صدی کی منفرد سفر نامہ نگار بیگم اختر ریاض الدین کے سفر ناموں ”سات سمندر پار“ اور ”دھنک پر قدم“ میں محاورات کثرت سے ملتے ہیں۔ یہ محاورات اتنی خوب

صورتی سے استعمال کرتی ہیں کہ دہلی کے گلی محلے کی زبان کا لطف ملتا ہے۔ مثلاً ایک محاورہ ”لمبی تان کر سونا“ استعمال کیا جاتا ہے لیکن مصنفہ نے ”لمبی تان کر اٹھنا“ برتا ہے۔ مثلاً:

”صبح لمبی تان کر اٹھی تو سورج دیوتا کمرے کے اندر اور میرا دیوتا کمرے کے باہر“۔ (۱۷)

خاتون سفر نامے نگار ہونے کی وجہ سے محاورات کے انتخاب میں بھی نسائی پسندیدگی دکھائی دیتی ہے۔

”اب آٹے دال کا بھاء معلوم ہوا۔ میری بیٹی ناز اور میں نے کمر کس کر سارا دن گھر کی صفائی کی“ (۱۸)

محاورات کے علاوہ ان سفر ناموں میں تشبیہات و استعارات کا برجستہ استعمال بھی ملتا ہے جو سفر نامے کی دل چسپی میں اضافہ کرتا ہے ان کے سفر ناموں میں محاورات کے ساتھ ساتھ تشبیہات میں بھی نسائی دل چسپیوں کا اظہار ملتا ہے۔ بنابریں ہمہ مصنفہ نے چھوٹے چھوٹے جملوں سے مزاح پیدا کر کے سفر نامے کو دل کش بنایا ہے۔ مثلاً:

”اس گنجان جزیرے میں جہاں انسان اچار کی طرح ڈبوں میں بند ہوں“۔ (۱۹)

”ساتھ بیٹھا جاپانی تاجر تسلی دیتے ہوئے بولا، یہ تو کچھ بھی نہیں جب ٹوکیو سے ہوائی جاؤ گی تو ہوائی جہاز ایسے اچھلے گا جیسے چھان میں گیہوں“۔ (۲۰)

ضرب الامثال کسی زبان کے حُسن میں اضافے کا موجب بنتے ہیں۔ علاوہ ازیں عوامی ذہانت کا ثبوت بھی فراہم کرتے ہیں۔ مصنفہ نے ضرب الامثال کے استعمال سے بھی رنگارنگی پیدا کی ہے۔ مثلاً:

”جسے پیاجا ہے وہی سہاگن کہلائے“۔ (۲۱)

”آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا“۔ (۲۲)

علم بدیع کی اصطلاح میں ہم جنس الفاظ کی مدد سے بات میں حُسن پیدا کرنا صنعتِ تجنیس کہلاتا ہے۔ مصنفہ الفاظ کے فن کارانہ استعمال کے ہنر سے واقف ہیں۔ ان کے سفر ناموں میں اس شعری وسیلے کا اظہار ملاحظہ ہو:

”یہ لپٹن تو قوم کو ایسی لپٹی ہے کہ دیہاتی بھی اس کے چسکے میں پڑ گئے ہیں“۔^۲

”ماسکو میں یہ سب سے بڑا سٹور ہے۔ اسے ”گم“ کہتے ہیں اور واقعی وہاں جا کر انسان گم ہو جاتا ہے۔“ (۲۳)

انور سدید ان کی لفظی فن کاری کے معترف ہیں لکھتے ہیں:
”وہ لفظ کی معنوی رعایتوں سے استفادہ کا فن جانتی ہیں اور اسے پورے کمال و جمال کے ساتھ استعمال کرتی ہیں۔“ (۲۴)

بیگم اختر ریاض الدین سیاحت کے دوران ہر چیز پر ژرف بین نگاہ ڈالتی ہیں اس لیے ہر جامد اور بے جان اشیاء متحرک نظر آتی ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے سفر ناموں میں مجرد اشیاء مجسم صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ مثلاً:

”سورج کی پہلی زرد دھوپ نڈھال ہو کر برف پر گر پڑی۔“ (۲۵)

”بے حد کشادہ، چمھے سڑکیں پہلو بہ پہلو لیٹی ہیں۔“ (۲۶)

مصنفہ ایک عام بات کرنے کے لیے بھی سو سو رنگ تراشتی ہیں۔ چنانچہ ایک عام بات جو سادہ الفاظ میں بھی کہی جاسکتی ہے اس کے لیے بھی الفاظ کا استعمال اتنا عمدہ ہوتا ہے کہ داد دیے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ اس سے بات کی تاثیر اور قاری کی دل چسپی میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ بیگم اختر ریاض الدین ہلکے پھلکے انداز میں اہم سماجی حقائق سے بھی پردہ اٹھاتی ہیں۔ ان کے سفر نامے جہاں تاریخی و جغرافیائی معلومات سے لبریز ہیں وہیں مزاح کی دولت سے بھی مالا مال ہیں لیکن ان کے سفر ناموں میں فنی پختگی کے ساتھ ساتھ فکری پختگی بھی ہے۔ ان کے سفر ناموں میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو مصنفہ کے حساس گہرے فکری رویوں کے ترجمان ہیں۔ وہ درد بھرے انداز میں سوال کرتی ہیں:

”جتنا کھانا ان ہوٹلوں میں ضائع ہوتا ہے، جتنا کھانا یہ پالتو جانوروں کو کھلا دیتے ہیں، اس سے ایشیا کے غریب پل سکتے ہیں۔ لیکن اللہ سے کون سوال کرے کہ امریکی کتے بلی کو ہندوستان یا کوریا کے کسان سے کیوں زیادہ خوش نصیب بنایا۔“ (۲۷)

بیگم اختر ریاض الدین کے سفر ناموں کو جدید سفر نامے کی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے اکثر ناقدین ادب کو خامیاں بھی دکھائی دیتی ہیں لیکن وہ اس امر کو فراموش کر دیتے ہیں کہ ادب میں کوئی بھی نیارجمان بتدریج اپنے خدوخال متعین کرتا ہے چوں کہ مصنفہ کے سامنے کوئی واضح روایت موجود نہیں تھی اس لیے کچھ خامیاں بھی نظر آتی ہیں مثلاً پُر تعیش زندگی کا

تذکرہ، غیر ضروری تفصیل، اعلیٰ طبقے کی عکاسی، ذاتی زندگی کا بار بار تذکرہ قاری کو کھٹکتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے بیگم اختر ریاض الدین کے سفر ناموں کو بورژوا خاتون کے سفر نامے قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

”بیگم اختر ریاض الدین ہماری اہم خاتون سفر نامہ نگار ہیں۔ ویسے ایک بات ہے کہ ان سفر ناموں ”سات سمندر پار“ اور ”دھنک پر قدم“ سے لطف اندوزی کے لیے قاری کے گھر میں کم از کم پانچ صفر کی آمدنی کے کلچر کا ہونا لازمی ہے۔“ (۲۸)

بیگم اختر ریاض الدین کے سفر ناموں میں خود نمائی کا عنصر بھی موجود ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے افسروں، حاکموں اور ان کی بیگمات کا ذکر، اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں کا قیام، عمدہ کار میں سفر، اپنے سی ایس پی خاوند کا تذکرہ، قاری کو یہ خود نمائی کا عنصر احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیتا ہے۔ بعض اوقات ان سفر ناموں میں معلومات کے انبار نظر آتے ہیں۔ بعض مقامات پر کہیں قاری کے لیے طویل نعمتیں بھی موجود ہیں اور کہیں تاریخ کا بیان حدِ اعتدال سے بڑھا ہوا محسوس تو ہوتا ہے جو قاری کو اکتاہٹ کا شکار کرتا ہے۔ تاہم یہ کیفیت بہت مختصر وقت کے لیے ہوتی ہے کیونکہ جلد ہی مصنفہ کا شگفتہ اسلوب قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ بیگم اختر ریاض الدین پُر تصنع زندگی کو پسند نہیں کرتیں لہذا سفر ناموں میں بھی ایک شوخی آمیز لہجہ طبیعت کا چلبلا پن دکھائی دیتا ہے۔ لکھتی ہیں:

”یہ قوم سلام کے لیے آدھی جھک جاتی ہے اور اس وقت تک جھکی رہتی ہے جب تک آپ اپنی کمر سیدھی نہ کر لیں۔ اس لطیف اخلاق کے باعث میری نجیف کمر کئی دفعہ مجھ سے الگ ہو کر چلتی تھی۔ ایک دفعہ تو اس نے لاہور کا رخ کر لیا اور میں نے بمشکل اس کا رخ موڑا۔“ (۲۹)

زیرِ نظر سفر ناموں میں سنجیدہ طرزِ تحریر نظر نہیں آتی بل کہ ہلکے پھلکے مزاح کی جلوہ آرائی مختلف مقامات پر ملتی ہے لیکن ان سفر ناموں میں تہقہوں کے بجائے ایک تبسم زیر لب کی کیفیت رہتی ہے۔ اگرچہ سفر ناموں میں طنز یا شگفتگی کا عنصر ملتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید مصنفہ کے پُر لطف اسلوب کے متعلق رقم طراز ہیں:

”اختر ریاض الدین نے صرف لفظ کی رعایتوں کا ہی فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ لطیفہ کو بھی خوبی سے استعمال کیا ہے اور اکثر اوقات کٹیلے اور معنی خیز

جملے تخلیق کر کے قاری کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بھی بکھیر دی ہے۔“ (۳۰)

مزاح مصنفہ کی بے تکلفی اور شوخی طبع سے چھوٹا ہے جس میں نسائی لطافت اس کی دل کشی میں مزید اضافہ کرتی ہے۔ زبان کی سلاست، روانی، تحریر کی شوخی، مزاح کی دل فریبی ان کے سفر ناموں کی دل کشی میں اضافہ کرتے ہیں۔ منظور الہی ممتاز ان کے منفرد اسلوب کے متعلق لکھتے ہیں:

”..... ایسی پُر مزاح، شوخ و شگفتہ زبان صرف ابنِ انشاء اور کرئل محمد خان کے سفر ناموں میں ملتی ہے مگر وہ نسائی حُسن و شوخی جو مصنفہ کے سفر ناموں کا حصہ ہے کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔“ (۳۱)

بیگم اختر ریاض الدین کے سفر نامے زبان و بیان اور اسلوب کے اعتبار سے اردو سفر نامہ نگاری میں بلند مقام کے حامل ہیں۔ جدید اردو سفر نامے کی روایت کو آگے بڑھانے میں یہ سفر نامے ایک کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سفر نامے میں صرف مزاح اور رنگین بیانی ہی نہیں بلکہ اس میں سفر نامہ نگار کے فکری احساس کا بھی دخل ہے جو سفر نامے کو عروج کی جانب گامزن کرتا ہے۔ ”سات سمندر پار“ اور ”دھنک پر قدم“ ان سفر ناموں میں مزاح بھی ہے اور روانی بھی۔ علاوہ ازیں اس میں ایسی تخلیقی اور جبلی قوت، احساس فکری ادراک کا بہترین سنگم ملتا ہے جو بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ ان سفر ناموں میں جدت اور شوخی کا امتزاج بھی ہے جس میں رنگینی اور لطافت کے پس منظر میں مغربی فکر اور مشرقی عورت کا دل دھڑکتا ہے۔ ان کے سفر ناموں میں شوخی و رنگینی موجود ہے انھوں نے انوکھے موضوعات کو بیان کر کے اسے دوسرے سفر ناموں سے منفرد قرار دیا ہے۔ بیگم اختر ریاض الدین نے شگفتہ و دل کش انداز اختیار کیا ہے۔ سادہ اور عام فہم زبان میں اظہار خیال کیا ہے ان سفر ناموں کی انفرادیت یہ ہے کہ مصنفہ نے وارداتِ قلبی کے اظہار کے ساتھ ساتھ تہذیب اور تاریخ کا احاطہ بھی کیا ہے۔ بیگم اختر ریاض الدین کے سفر نامے فنی و اسلوبیاتی حوالے سے روزمرہ محاورات، تشبیہات، ضرب الامثال دل کش اسلوب، بے تکلفی، شوخی، شگفتگی کی بدولت نہ صرف اردو سفر ناموں میں بل کہ اردو نثر نگاری میں بھی انھیں ایک منفرد مقام پر فائز کرتے ہیں۔ ان سفر ناموں میں جدید سفر ناموں کے واضح امکانات موجود ہیں یہی وہ سنگِ بنیاد ہے جس پر جدید سفر نامے کی دیو قامت عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے۔ مختصر یہ کہ ان کے سفر ناموں میں اگرچہ ناچنگگی، تفصیل پسندی کے نقائص موجود ہیں لیکن اس کے باوجود جدید

سفر نامے کا پیش رو قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ یہ سفر نامے تخلیقی نثر کے جملہ لوازمات سے آراستہ ہیں۔ وہ دہلی کے گلی کوچوں میں بولی جانے والی مخصوص ٹکسالی زبان ہے اس کی بدولت ہی بیگم اختر ریاض الدین کے سفر نامے جدید اردو نثر کی روایت کا اہم سنگ میل ہیں۔

بنا بریں ہمہ ان سفر ناموں میں عہدِ جدید کے سفر ناموں کے واضح امکانات موجود ہیں۔ بعد میں آنے والے سفر نامہ نگار بیگم اختر ریاض الدین کے سفر ناموں سے بالواسطہ یا بلاواسطہ نہ صرف متاثر ہوئے بلکہ ان سے استفادہ بھی کیا۔ اگرچہ ان سفر ناموں میں اوصاف خوبیوں کا گراف بہت بلند ہے اس کے مقابلے میں ناچنگی یا نقائص بھی موجود ہیں لیکن خوبیوں کا معیار بہت بلند ہے۔ بیگم اختر ریاض الدین کو بلاشبہ جدید سفر نامے کا پیش رو قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان کے سفر ناموں پر کیے گئے اعتراضات کے باوجود بلندی کا جو شرف انھیں حاصل ہے وہ دیگر سفر نامہ نگار خواتین کے حصے میں تاحال نہیں آیا۔ پیش نظر سفر نامہ جدید اردو سفر نامے کی روایت کو آگے بڑھانے میں ایک کڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سفر نامے میں صرف مزاح اور رنگین بیانی ہی نہیں بلکہ اس میں مصنفہ کے فکری احساس اور فنی لوازم کو بھی دخل ہے جو سفر نامے کو اردو ادب کے اہم نثری سفر ناموں کی فہرست میں کامیابی سے شامل کرتے ہیں۔ زیر نظر سفر ناموں کی انفرادیت مُسلم ہے۔ یہ سفر نامے آنے والے سفر نامہ نگاروں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ محولہ بالا اوصاف کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بیگم اختر ریاض الدین جدید اردو نثری سفر نامے کے اہم ترین تخلیق کاروں میں شمار ہوتی ہیں۔

حوالہ جات

- ۱۔ بیگم اختر ریاض الدین، ”سات سمندر پار“، طبع چہارم، لاہور، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۰۶ء، ص ۱۲۱۔
- ۲۔ بیگم اختر ریاض الدین، ”دھنک پر قدم“، طبع دوم، لاہور، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۰۲ء، ص ۱۵۰۔
- ۳۔ بیگم اختر ریاض الدین، ”سات سمندر پار“، ص ۶۷۔
- ۴۔ بیگم اختر ریاض الدین، ”دھنک پر قدم“، ص ۲۰۔
- ۵۔ بیگم اختر ریاض الدین، ”سات سمندر پار“، ص ۱۳۹-۱۴۰۔

- ۶۔ ایضاً، ص ۴۶۔
- ۷۔ ایضاً، ص ۱۴۔
- ۸۔ ایضاً، ص ۱۴۔
- ۹۔ احتشام ضمیر، ”دھنک پر قدم“، مضمون مشمولہ ”نقوش“ لاہور، شمارہ ۱۱۵، دسمبر ۱۹۷۰ء، ص ۴۳۶۔
- ۱۰۔ بیگم اختر ریاض الدین، ”دھنک پر قدم“، ص ۱۵۱۔
- ۱۱۔ بیگم اختر ریاض الدین، ”سات سمندر پار“، ص ۱۷۔
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۲۹۔
- ۱۳۔ ایضاً، ص ۱۲۔
- ۱۴۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر، ”جدید اردو سفرنامہ نگاری- اجمالی جائزہ“، مشمولہ سہ ماہی الزبیر (سفرنامہ نمبر)، بہاول پور، اردو اکیڈمی، ۱۹۹۸ء، ص ۳۵۔
- ۱۵۔ بیگم اختر ریاض الدین، ”دھنک پر قدم“، ص ۵۳۔
- ۱۶۔ ایضاً، ص ۶۱۔
- ۱۷۔ بیگم اختر ریاض الدین، ”سات سمندر پار“، ص ۴۰۔
- ۱۸۔ بیگم اختر ریاض الدین، ”دھنک پر قدم“، ص ۱۴۔
- ۱۹۔ بیگم اختر ریاض الدین، ”سات سمندر پار“، ص ۱۵۔
- ۲۰۔ بیگم اختر ریاض الدین، ”دھنک پر قدم“، ص ۱۲۔
- ۲۱۔ بیگم اختر ریاض الدین، ”سات سمندر پار“، ص ۷۷۔
- ۲۲۔ بیگم اختر ریاض الدین، ”دھنک پر قدم“، ص ۱۶۵۔
- ۲۳۔ بیگم اختر ریاض الدین، ”سات سمندر پار“، ص ۲۸۔
- ۲۴۔ ایضاً، ص ۵۹۔
- ۲۵۔ انور سدید، ڈاکٹر ”اردو ادب میں سفرنامہ“، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۲۹۰۔
- ۲۶۔ بیگم اختر ریاض الدین، ”سات سمندر پار“، ص ۵۹۔
- ۲۷۔ ایضاً، ص ۲۵۔
- ۲۸۔ بیگم اختر ریاض الدین، ”دھنک پر قدم“، ص ۳۴۔

- ۲۹۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ”اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ (آغاز تا ۲۰۰۰)“، بار سوم، لاہور، سنگ میل پبلشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۵۲۴۔
- ۳۰۔ بیگم اختر ریاض الدین، ”سات سمندر پار“، ص ۴۲۔
- ۳۱۔ انور سدید، ڈاکٹر ”اردو ادب میں سفر نامہ“، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۲۸۵

